نظم، تصورِ نظم اور فکر و اسلوب کے بیانیے

ناہید ملک، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر طارق ہاشمی، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract:

As a means of poetic expression of feelings and emotions, poem is the name given to expressing one's conscience within a certain set of rules, but if one considers its evolutionary journey on a spiritual level, it is very wide-ranging.Poetry is an Arabic word and all the words that indicate a system or discipline are derived from it. Therefore, poetry has a special preference over prose due to its word arrangement. Sound conditions, fluctuations and musicality are the characteristics of a poem due to which the poet adapts his point of view to an experience or subject and molds it into the form of that style.

If we consider the narratives of different periods of Urdu poem, it appears that this genre is completely united in its essence, which requires a special breadth of knowledge and study from the reader which is based on the subject and good style. When a good poem is deep, it must be meaningful. It is through this that an element of sweetness and pleasure prevails.The ideas that have been formed about this genre from its evolutionary journey show that it is a word which is suitable for the speaker's own sense, harmony and lyricism, so we distinguish it from prose**.**

Key words: Poem, Poetry, Expression, Style, Narrative

کلیدی الفاظ: نظم، شاعری، اظہار، اسلوب، بیانیے

جذبات و احساسات کے شعری اظہار کے ایک وسیلے کے اعتبار سے ''نظم'' ایک خاص ضابطے کے اندر رہتے ہوئے اپنے مافی الضمیر کے بیان کرنے کا نام ہے لیکن معنوی سطح پہ اس کے ارتقائی سفر پہ غور کریں تو یہ اپنے اندر بڑی وسعت لیے ہوئے ہے۔

نظم کے لفظ کو دیکھا جائے تو ذہن میں ترتیب و تنظیم اور انصرام و انتظام جیسی لفاظی گردش کرنے لگتی ہے۔ لغوی طور پر اس کا معنی بھی موتیوں کو ایک لڑی کے اندر پرونا، ترتیب، ضبط، نسق، آرائش، آراستگی، قابو، شحت اور بندش ہے۔ نظم عربی زبان کا لفظ ہے لیکن قواعدِ زبان کی رو سے یہ حرفِ مادہ بھی ہے اور وہ تمام الفاظ جو کسی نظام یا ضابطے کو ظاہر کرتے ہیں، اسی سے مشتق ہیں۔ اسی لیے نظم اپنے لفظی دروبست کے باعث نثر پر امتیازی ترجیح رکھتی ہے۔ صوتی کیفیات، اُتار چڑھاؤ اور موسیقیت نظم کی وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر شاعر اپنے زاویہ نگاہ کو کسی تجربے یا موضوع کے تحت لا کر اسے شاعرانہ اسلوب کے قالب میں ڈھالتا ہے۔

اردو نظم کے مختلف ادوار کے بیانیوں پر غور کیا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صنف اپنے باطن میں مکمل طور پر وحدت لیے ہوتی ہے جو قاری سے ایک خاص علمی وسعت اور مطالعہ کا تقاضا کرتی ہے جو موضوع اور اچھے اسلوب پر مبنی ہو۔ ایک اچھی نظم جب عمیق پن لیے ہو تو لازماً معنی خیز ہوتی ہے اسی وسیلے سے ایک لطافت اور لذت کا عنصر غالب آتا ہے۔ نظم ایسا کلام ہے جو بولنے والے کے اپنے احساس، آہنگ و غنایت کے اعتبار سے موزوں ہو۔ یہ سارا عمل لفظی جادوگری میں مخفی ہوتا ہے جو موضوع کو خوبصورت طریقِ استعمال، جذبات و احساسات اور خارجی مشاہدے سے آراستہ ہو کر نظم کے روپ میں ظاہر کرتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کہتے ہیں:

> ''نظم اپنی طویل آوارہ خرامی کے دوران میں راستے کی ہر شے کو مَس کرتی ہے اور اسے گویا خوردبین کے نیچے رکھ کر دیکھتی ہے۔''(۱)

دنیا کی دیگر زبانوں کے برعکس اُردو شاعری میں اظہار کے دو پیرائے دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایک غزل اور دُوسرا نظم۔ یعنی اردو میں تمام تر شعری اظہار نظم نہیں کہلاتا بلکہ صرف وہ شاعری نظم کہلاتی ہے جو غزل کے علاوہ ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی اس پر کچھ یوں اظہار خیال کرتا ہے۔

> ''ہر وہ منظومہ جو غزل نہیں ہے، نظم ہے اور نظم کی بنیادی صفت وحدت ہے جس کا ایک تفاعل ربط و تسلسل ہے۔ یہ ربط و تسلسل کئی طرح کا ہوتا ہے اور ہر نظم کے ساتھ اور ہر قسمِ نظم کے ساتھ بدلتا بھی رہتا ہے۔''(۲)

نظم کو غزل سے ممیز کرنے کے علاوہ نظم کے قدیم تصور پر بھی سوال اٹھایا جاتا ہے۔ بعض اہلِ نقد مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، رباعی، قطعہ، واسوخت، شہر آشوب، مستزاد کو نظم ہی نہیں مانتے جبکہ نظم کی یہ تمام اقسام اور ہیئتیں زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہیں۔ اگر ہم نظم لکھنا چاہتے ہیں اور ان اضاف کو خارج قرار دے دیں تو ان تحریروں کا کیا ہوگا جو مثلث، مخمس مسدس مسمط، ترکیب بند اور ترجیع بند ہیں اور اُن میں مثنوی، غزل، قصیدہ، رباعی وغیرہ آتے ہیں؟ پھر اسی طرح دوہے پر بھی کیا نظم کا اطلاق ہوگا؟ اور کیا دوہا مثنوی یا غزل کا شعر کہلائے گا یا اُسے غزل کا مطلع کہیں گے؟ ایسے ہی ہائیکو اور سانیٹ بھی نظم کہی جائیں گی؟ اور کیا گیت بھی نظم کہا جائے گا؟

درحقیقت یہ سب نظم ہی کی ہیئتیں اور قسمیں ہیں۔ بس یہ شاعر کی اپنی مرضی ہوتی ہے کہ وہ ان قسموں کو اُن کے بنیادی اجزائے ترکیبی کے ساتھ نظم کرتا ہے جو اُس ہئیت کی خصوصیت ہوتی ہے یا پھر اُس تحریر کو وہ کوئی بھی عنوان دے دے، یہ سب تخلیق کار کی اپنی منشا پر منحصر ہے۔ ایک اور سوال یہ بھی ادبی حلقوں میں اُٹھایا جاتا ہے کہ کیا نظم میں تظمیت یا نظم پن ہوتا ہے جو نظم کو قصیدے، مثنوی مرثیے وغیرہ سے الگ کرتا ہے؟ اگر مثنوی، قصیدہ، رباعی، قطعہ، مسدس کو نظم سے خارج کر دیں تو یہی تمام اصطلاحیں تو ہمارا قیمتی ورثہ ہیں اور انہیں اُردو شاعری میں قائم رکھنا ہے۔

دنیا بھر میں شعری اظہار نظم کی صورت میں ہوتا ہے لیکن ایک نقطہ نظر یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ہر شاعری نظم ہوتی ہے اور نہ ہی تمام شاعری منظوم۔ شاعری کسی تخلیقی تجربے کا ایسی زبان میں ادا کیا جانا ہے جو پڑھنے اور سننے والے پر وہی تاثر پیدا کرے جو تخلیق کرنے والے کی قلبی واردات و کیفیات پر اثرانداز ہوئیں تھیں اور جس کے لیے شاعرانہ اسلوب، متخیلہ اظہار، تشبیہ واستعارہ، علامت، ایمائیت، ایجاز وغیرہ لوازمات نظم کی روایت کو علیحدہ نئے سماج اور نئی فکر کی ترجمانی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ ڈاکٹر انیس ناگی شعری اظہار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ”شعری تخلیق میں اظہار کا قرینہ ادراک کے اسلوب میں مخفی ہوتا ہے۔ شاعر جس طرح سوچتا ہے اور محسوس کرتا ہے اسی طرح تجربے کو مرتب کرتا ہے۔ شاعری میں اگر اظہار کے وسائل کو علیحدگی پر زیادہ اصرار کیا بھی جائے تو ان کی حیثیت سے الگ قائم نہیں کی جا سکتی۔“(۳)

نظم معنی واظہار سے وابستگی کا دُوسرا نام ہے۔ نظم اپنے منطقی وجود، جمالیات اور معانی رکھتی ہے اور اس کا فن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ نئے زمزمے، نئی شعری صداقت کی کھوج اور نئے مفاہیم کے پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہو یعنی ایک مصرعہ دُوسرے مصرے سے رابطہ رکھتے ہوئے مکمل معنوی حیثیت سے ظاہر ہو۔ جس طرح انسانی زندگی متنوع

ہے اور اس کے بے شمار پہلوں ہیں ایسے ہی نظم فی نفسہ انسانی جذبات کی عکاسی ہے اور بے شمار پہلو رکھتی ہے۔ ارباب فہم و دانش نے اسے موضوع کے اعتبار سے منقسم کیا ہے۔ نظم اپنا ایک الگ مخصوص مزاج رکھتی ہے۔ یہ دیگر اضافِ سخن کی طرح نظم بھی سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی فلسفہ و حکمت، تہذیب و تمدن، سماجی، مذھبی، حمد و نعت اور سائنسی موضوعات رکھتی ہے۔

نظم کے مذکورہ مفاہیم اس کی صنفی شناخت کی وضاحت ضرور ہیں لیکن موضوعاتی سطح پہ اُردو نظم کو مختلف تحریکوں نے متاثر کیا ہے اور اپنے بیانیے کی روشنی میں اس کو ایک فکری پہچان عطا کی ہے۔ اُردو نظم کو جدید رجحان اور موضوعاتی پیرایہ دینے میں انجمن پنجاب اور علی گڑھ تحریک کا بڑا اہم کردار ہے۔ ان تحاریک سے وابستہ تخلیق کاروں اور اہلِ تنقید نے اسے ان تصورات سے آزاد کیا ہے جو زمانہ قدیم سے غیر موضوعاتی پیرائے سے وابستہ تھے۔ یہ تحاریک نظم میں جدت طرازی کا نقطہ آغاز ثابت ہوئیں اور ایسی شاعری تخلیق ہونے لگی جس میں جذبے، فن اور تخیل کے ساتھ ساتھ موضوع، مقصد اور نئی فکر سے واقفیت ہوئی۔

نئے موضوعات اور نئے خیالات نے اُردو نظم کی شعریات کا رُخ جدیدیت کی طرف موڑا۔ مولانا آزاد کے لیکچر اور حالی کا ''مقدمہ شعر و شاعری'' اسی نئے باب کا آغاز ہوئے جہاں پُرانے اصولوں کو یکسر نظر انداز کر کے شاعری کی افادیت و مقصدیت پر بھی زور دیا گیا۔ حالی اور آزاد کے عہد تک اُردو نظم ہئیتوں کے تابع رہی تاہم یہ پابند نظمیں اپنے انداز بیان اور اسلوب کے لحاظ سے قدیم نظم سے زیادہ قریب تھیں۔ اس سلسلے میں شمیم حنفی کچھ یوں رقمطراز ہیں:

> ''ان کی یہ کوششیں انفرادی وجود پر سماجی وجود کے طبعی تسلط کا پتہ دیتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ حالی، آزاد، اسماعیل میرٹھی کے ہاں زندگی کے ساتھ شاعری کے موضوعات تو بدل گئے لیکن شعری تجربے کی نوعیت اور اس کے صیغۂ اظہار میں کوئی نمایاں فرق پیدا نہ ہو سکا۔''(۴)

اُس وقت کے عہد اور ماحول کے جبر کی وجہ سے جدید شعرا کے شعور کے نقائص کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شاعری میں ان کی اہمیت خام مواد کی سی ہے۔ عصری تقاضوں کی مناسبت سے چونکہ نظم نئے رجحانات سے آگاہی کا ذریعہ تھی۔ اس لیے اس عہد کی نظم کی قبول عام مِلا، حالی اور آزاد سے اقبال اور جوش تک پہنچتے پہنچتے نظم نے کئی منازل طے کر لی تھیں اور نظم میں تنوع اور فن کی فکری سطح پر پختگی صاف طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔

عہدِ سرسید کی مقصدیت کے کچھ ہی عرصہ بعد اردو نظم کی شعریات میں رومانی آہنگ شامل ہوا۔ عظمت اللہ، اختر شیرانی، خوشی محمد ناظر، نادر کاکوروی، محسن کاکوروی اور جوش کے ہاں رومانوی افکار ترقی یافتہ صورت میں موجود ہیں۔ ان کے بعد نوجوان شعراکا ایک ہجوم ہے جن کے پہلو میں نئی صورتیں، نئے موضوعات، نئے انداز بیاں اور داخلی و خارجی دونوں اعتبار سے شعریات کے دائرے میں ظاہر ہوئے۔ رومانویت کو فروغ دینے میں ان شعرأ کی نظموں میں تکرارِ خیال، خطابت اور فنی نشو نما میں آہستہ آہستہ تکمیلیت بڑھتی نظر آتی ہے۔ نئے اور پرانے ہر طرح کے شعرأ نے رومانیت کی تقلید میں طبع آزمائی کی۔ ان تمام شعرأ نے ہیئت واسلوب کے مختلف تجربے کیے۔ ان شعرأ کی شاعری میں دلفریب منظر کشی نے حسن آفرینی کر کے نئے رنگوں کو ابھارا ہے۔ بحور و کوافی، الفاظ و تراکیب کے دروبست استعمال نے نظموں کی زیریں تہہ میں موسیقیت کی لہروں کو موجزن کر دیا ہے۔ ان کی نظموں میں فطرت، تہذیب اور ہندوستانی کلچر اپنے سیاسی اور سماجی شعور کے ساتھ پختگی کا ثبوت دیتا ہے۔ ان کی نظم میں زبان وبیان، لہجہ اور نیا طرزِ نگارش ہندوستانی مزاج کا پتا دیتا ہے۔ مغرب سے آئے ہوئے خیالات نے ادب اور آرٹ میں فنکاری کے نئے اسلوب رائج کیے اور نظم میں روزمرہ کی باتوں کو نئے ڈھب سے پیش کیا جو ذہنی افق پر رنگا رنگ جلوؤں سے نگاہوں کو لبھانے لگا۔ رومانی شعرأ نے داخل اور خارج کے احساسات وجذبات کی ترجمانی کی ہے اور اپنی آرزوؤں، امیدوں، مسرتوں اور شکستوں کا براہ راست اظہار نہیں کیا۔

ہر چند کہ بیسویں صدی کے اوائل سے ہی مغربیت کے اثر سے نظم کی ساخت اور اسالیب میں شکست وریخت کا عمل شروع ہو گیا تھا لیکن اس میں تخلیقی قوت بعد کے آنے والی دہائیوں میں آئی جس سے شعروادب میں تبدیلی بلکہ مزاج کی تبدیلی اور نئے سانچوں کی تشکیل کا عمل شروع ہوا۔ اردو نظم میں تازہ فکری بیانیے کی بڑی وجہ سماج کے بارے میں ترقی پسند دانشوروں کے انقلابی تصورات تھے۔ بقول عقیل احمد صدیقی:

> ”ترقی پسند تحریک ان اسلاف سے ان معنوں میں مختلف تھی کہ ان کی زندگی کے تصورات بدلے ہوئے تھے لیکن روح تقریباً ایک تھی۔ روحانیت کی جگہ مادیت نے اور مذہبی طرز فکر کی جگہ اشتراکی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی تصورات نے لے لی۔“(۵)

ترقی پسند تحریک نے انقلابی سماجی تصورات کے زیرِ اثر نئے موضوعات کو ایک الگ قرینے سے برتا گیا جس سے نظم کی شعریات میں ایک واضح فرق نظر آنے لگا۔ ترقی پسندوں کے فکری، سماجی اور اقتصادی بیانیے نے نظم کے تصورات ہی میں نہیں اسالیب میں بھی ایک خاص مزاج تشکیل دیا۔

نظم کی طرف توجہ دینے کی وجہ ترقی پسندوں کے وہ خاص نظریات تھے جو صرف نظموں میں قلمبند کر کے عوام کے روبرو پیش کیے جا سکتے تھے۔ ترقی پسندوں نے پرانی علامتوں کو نئی وضع سے برتا۔ان شعرا نے سویرا، روشنی اور ظلمت ایسے الفاظ کو نئے سماجی معانی عطا کیے۔ وطن کی آزادی، آثارِ انقلاب، جہانِ نو، جنگِ آزادی، صبحِ فردا، امن کا ستارہ، قومی حکمران، خانہ جنگی، اتحاد، بیداری انسان اور امن عامہ جیسے موضوعات جو اس عہد کا حصہ تھے اپنی شاعری میں فروغ عام کیا۔ ترقی پسند تحریک بالعموم نظم نگاروں کی تحریک ہے جس نے ادب کو زندگی کے مسائل سے ہمکنار کیا اور ادب کا جائزہ سماجی، سیاسی اور تاریخی پس منظر میں لیا۔

۱۹۳۹ء میں تخلیقی ادب کے منظر نامہ میں نئے لب و لہجہ سے آراستہ جدید نسل نے اپنے ادبی حق میں نئی فضا سازی کی جو ترقی پسندوں سے الگ نوعیت کی حامل تھی۔ حلقہ ارباب ذوق میں جدید اُردو نظم کے سرخیل میراجی ہیں۔ جنھوں نے غیر ملکی شعرا کے مطالعہ اور تراجم سے جدید شاعری میں نئے اُصول وضع کر کے نئے شعرا کی ادبی تربیت کو جِلا بخشی، مغرب کی بیشتر ادبی تحاریک مثلاً علامت نگاری، سرئیلزم، تاثریت وغیرہ میراجی کے توسط سے اُردو نظم میں داخل ہوئیں انہوں نے دیومالائی اور علامتوں کے زور پر تہہ دار تراکیب وضع کیں۔ اُن کی بیشتر نظمیں ابہام کی شکار ہیں۔ وہ فرائڈ کے تحلیل نفسی کے نظریات سے متاثر ہیں جس کا اثر اُن کی نظموں میں پایا جاتا ہے۔ حلقہ سے وابستہ شعرا کے ہاں داخلیت اور خارجیت یکساں طور پر جلوہ گر ہیں۔ احتشام علی اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جدید اُردو نظم کی روایت کے اہم ترین نظم نگاروں کی نظموں کا طائرانہ جائزہ اُن سماجی اور نفسیاتی تبدیلیوں کی واضح نشاندہی کر رہا ہے۔ جنھوں نے مذکورہ عہد کے نظم نگاروں کو داخل اور خارج ہر دو سطح پر انگیخت کیا ہے۔''(۶)

حلقہ ارباب ذوق کے شعراء نے نظم میں داخلی کیفیات اور واردات کا حسین امتزاج پیش کیا اور مادیت سے گریز کرتے ہوئے داخلیت کے ساتھ روحانیت کو بھی ابھارا۔ ان نظم گوؤں نے عروض وآہنگ، ہیئت واسلوب اور علامت نگاری کو نئی طرز سے روشناس کروایا اور فرد کے جنسی ونفسیاتی اور باطنی کیفیات کو اہمیت دی۔ وسیع المطالعہ ہونے کی وجہ سے ان کی نظموں میں وسعت پائی جاتی ہے۔ ان کا تخلیقی عمل ان کے مشاہدات اور خیالات واحساسات نے خارج کو داخل کے ساتھ منسلک کر کے اسلوب میں نغمگی اور شعر کی بنت میں وحدتِ تاثر کو قائم کیا۔ ان کے استعارے اور علامتیں، قوافی کے آہنگ اور بعض اوقات ردیفوں کی تکرار قاری کی روح سے بے اختیار لپٹ جاتی ہے۔ جو معنویت اور جمالیاتی کیفیت کو آشکار کرتی ہے۔ ان شعراء کی نظموں میں دکھ، درد اور افسردگی کا تاثر بھی ملتا ہے۔ تھکن، بے بسی، درماندگی، بے خوابی اور اکیلا پن جیسے موضوعات کا احساس پایا جاتا ہے۔

۱۹۶۰ء کے بعد اُردو نظم کے مزاج میں ایک خاص تبدیلی آئی۔ ایک جانب جدیدیت کے نئے مباحث سامنے آئے تو دُوسری طرف زبان کی سطح پر ہمارے ہاں لسانی تشکیلات کے نظریے نے فروغ پایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ادبی تخلیق ایک زندہ اور قائم رہنے والا جمالیاتی فن پارہ ہے۔ اگر وہ ہئیت کے فکری اتصال سے پیدا ہو تو نیا ہے اور آنے والے دور میں اس کی اہمیت برقرار رہتی ہے اور کسی بھی دور میں اس کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ جب ہم نئی نظم کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ کسی پرانی نظم کی تکرار نہیں ہے بلکہ اس سے تخلیقی سطح پر نئی ہئیت اور نیا روپ ظاہر ہوتا ہے۔ نئی نظم یا نئی شاعری سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ قلم کار کا تعلق کسی بھی گروہ، تحریک یا تنظیم سے نہیں ہوتا۔ شمس الرحمٰن فاروقی کی رائے میں؛

''جدیدیت کسی بدلتے ہوئے فیشن کا پر تو نہیں، بلکہ یہ ادب اور تہذیب کے بارے میں بنیادی نوعیت کے بیانات پر مشتمل ہے اور یہ بیانات ہند اسلامی تہذیب کے نشان تلے پرورش یافتہ ہیں۔''(۷)

شمس الرحمن فاروقی اپنے ایک اور مضمون ''شعر غیر شعر'' میں شعریات کے نئے جدلیاتی نظام، ابہام جمال تناسب اور توازن کو شعری جمالیات کی مرکزیت قرار دیتے ہیں۔ اُن کے خیال میں یہی دو عناصر شعری پیکر کو تشکیل دیتے ہیں۔ جدید نظم نے الفاظ کی تراش خراش سے انسانی تجربات، میلانات و جذبات اور فطرت کے درمیان رابطہ قائم کر کے نئی ہئیتوں کو وسعت بخشی ہے۔ جدید نظم مزاجی اور زمانی دونوں اعتبار سے نئی فکر و بصیرت کی زائیدہ ہے۔ نظم اپنے سیاسی و تہذیبی سطح پر تخلیقی اعتبار سے نئے تجربوں کے مراحل سے گذری ہے۔ شاعر اگر اظہار پر قدرت رکھتا ہے تو وہ اُن دیکھی دُنیاؤں کی تصویر کشی بھی ایسی ہنر مندی سے کرتا ہے کہ قاری شعوری طور پر اپنے آپ کو اس منظر کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ نئی نظم میں رفتہ رفتہ بتدریج جدیدیت کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیرّ اس پر ہو کچھ اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں۔

''یہ تجربے ابتدائی سطح کے ہونے کے باوجود، اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اُردو شاعری ایک ایسی نئی زبان اور ہئیت اختیار کرنے کی طرف بڑھ رہی ہے جو متخلیہ کو بروئے کار لا کر نئی شعری صداقتیں وضع کرنے کی اہل ہے۔-------اور مغربی شاعری کی شعریات کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے اور اس سے نئی نئی شعری شکلیں وضع کرنے کی بنیاد رکھنے کی سعی مشکور تھی۔''(۸)

نئی نظم کے فروغ میں جیلانی کامران، انیس ناگی اور افتخار جالب اور بعض دیگر شعرا نے بنیادی کردار ادا کیا۔ جمیل آذر نئی نظم پر اپنی رائے کچھ اس طرح دیتے ہیں:

> ''نئی نظم میں شاعر کا مظاہر فطرت کے ساتھ تطابق، ہم آہنگی اور وابستگی کا رجحان کسی مابعد الطبیعاتی فلسفہ کے تحت نہیں ہے بلکہ اُس احساس اور فکر کے تابع ہے جو انسانی عمل تخلیق کی رو سے مشاہدہ اور تجربہ کرتا ہے۔ نئی نظم کے بیشتر شعرا نے مظاہر فطرت کے خارجی تحرک اور عمل میں اپنے ہی روپ کی جلوہ سامانیاں دیکھیں۔''(۹)

نئی نظم کے تاثر نے ان شعرا اور ان کے بعد کی ایک پوری نسل نے نظم کی فنی اور تکنیکی شکل و صورت میں نئے اضافے کیے اور نظم کی وہ پہچان کروائی جو ہمارے ذوق کا حصہ ہے۔ ۱۹۷۰ء سے ۲۰۰۰ء تک نظم کی شعریات کو جو فکری استحکام اور ارتقا حاصل ہُوا ہے وہ قابل رشک ہے۔ نظم اپنے تہذیبی، طبقاتی کشمکش، اقدار کی پامالی، فرد کی بے مائیگی اور جذباتی و نفسیاتی انتشار میں ظاہر ہوئی ہے۔ اس اجتماعی مراحل کی تقریباً ہر نظم ہئیتی قطعیت کی توانا مثال ہے۔ نظم جو نہ موضوعی صنف ہے اور نہ ہی کوئی مخصوص ہئیت ہے۔ یہ قدیم زمانے سے مختلف ہئیتوں میں پیش کی جاتی رہی ہے۔ گزشتہ پچاس ساٹھ برسوں میں نظم مختلف تکنیکی، اسلوبی اور موضوعاتی اُتار چڑھاؤ سے گذرتی رہی ہے اور اس کا تخلیقی سفر جاری ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر وزیر آغا، تنقید اور احتساب، جدید ناشرین، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۴۶

۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی، تعبیر کی شرح، قومی کونسل اُردو زبان، نئی دہلی ۲۰۱۲ء، ص ۱۱۶

۳۔ انیس ناگی، نیا شعری افق، جمالیات، لاہور ۱۹۶۹ء میں ۳۷۰

۴۔ شمیم حنفی، جدیدیت اور نئی شاعری، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۸ء، ص ۱۹

۵۔ عقیل احمد صدیقی، جدید اردو نظم: نظریہ و عمل، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۹۷

۶۔ احتشام علی، جدید اُردو نظم میں عصری حیثیت، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۵ء، ص ۸۸

۷۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ایضاً، ص ۹۴

۸۔ ڈاکٹر ناصر صباس نئیر، "انجمن اشاعتِ مطالبِ مفیدہ پنجاب: مابعد نو آبادیاتی تناظر"، نقاط، اسلام آباد، نظم نمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص ۷۸

۹۔ جمیل آذر، "نئی نظم کیا ہے؟"، اوراق: نظم نمبر، دفتر اوراق اُردو بازار، لاہور جولائی، اگست ۱۹۷۷ء ص ۴۷۴